25

پنشن یافتہ احباب اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے پیش کریں۔ تبلیغ کے کام کو جاری رکھنے کے لئے تحریک جدید کے دفتر دوم کو پوری طرح مضبوط کرنا لازمی ہے

(فرمودہ 19 جولائی 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"چونکہ چند دنوں کے بعد رمضان آنے والا ہے اِس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ مَیں یہ جمعہ قادیان پڑھاؤں کیونکہ رمضان کے ایام میں بِلا کسی اہم سبب کے سفر پسندیدہ نہیں۔ مَیں نے بار بار جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ جماعت کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے لحاظ سے قسم قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے، آدمیوں کی بھی ضرورت ہے، روپے کی بھی ضرورت ہے، عقل و خرد اور تعاون کی بھی ضرورت ہے۔ جب تک نئے نئے کام کرنے والے نہ ملیں ہم کچھ نہیں کر سکتے، جب تک روپیہ نہ ملے ہم کچھ نہیں کر سکتے، جب تک لوگ زندگیاں وقف نہ کریں اور کام کرنے والے ہمارے ساتھ کاموں میں پورا پورا تعاون نہ کریں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ساری جماعت ہماری پوری پوری مدد کو تیار نہیں ہوتی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جہاں تک آدمیوں کا سوال ہے ہمیں خدا کے فضل سے بہت سے آدمی ملے ہیں اور ملتے جا رہے ہیں لیکن اِس کے باوجود ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہو رہیں۔

بعض خاص قسم کے کاموں کے لئے خاص قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

مَیں نے گزشتہ سالوں میں یہ تحریک کی تھی کہ گورنمنٹ کی ملازمت سے فارغ ہونے والے بجائے اِس کے کہ گھروں میں بیٹھ رہیں اگر چند سال سلسلہ کی خدمت کریں تو سلسلہ کی کئی اہم ضرورتیں ان کے ذریعہ پوری ہو سکتی ہیں۔ بعض کام ایسے ہیں جو نوجوانوں کے ہی سپرد کئے جاسکتے ہیں اور بعض کام ایسے ہیں جو بوڑھوں کے سپرد کئے جاسکتے ہیں۔ بوڑھوں کی جگہ نوجوان نہیں لے سکتے اور نوجوانوں کی جگہ بوڑھے نہیں لے سکتے۔ جہاں بھاگ دوڑ اور نئے نئے خیالات اور نئی نئی اُمنگوں کا سوال ہے نوجوان ہی مفید ہو سکتے ہیں کیونکہ بوڑھے ایک خاص خیال اور خاص نظریہ پر پختہ ہو جاتے ہیں اور نئے نئے خیال اُن کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتے۔ لیکن نوجوان جہاں کام کے میدان میں چست وچالاک ہوتے ہیں وہاں وہ غور و فکر اور مناسب سختی ونرمی کے میدان میں بوڑھوں کے مقابل پر کمزور ہوتے ہیں کیونکہ اِس میدان میں تجربہ کی ضرورت ہے اور بوڑھے ہی تجربہ کار ہوتے ہیں۔ نوجوان ہر ناپسندیدہ چیز کو مٹانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے حالانکہ ہر ناپسندیدہ چیز کا مٹانا مناسب نہیں ہوتا اور ہو سکتا ہے کہ جن چیزوں کو وہ مٹانا چاہتا ہے وہ حقیقت میں ناپسندیدہ نہ ہوں بلکہ صرف اس کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہوں۔ لیکن اس کے مقابل پر ایک جذبہ نوجوان میں ایسا پایا جاتا ہے جو بوڑھوں میں نہیں پایا جاتا اور وہ یہ کہ وہ بے دریغ جان دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ کئی نوجوانوں نے لغو سے لغو چیز کے لئے اپنی جان دے دی حالانکہ ایسا کرنے میں محض ان کے ذاتی میلان اور رغبت کا دخل ہوتا ہے۔ اس سے در حقیقت فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پس جوانی کا زمانہ بھی نہایت اہم زمانہ ہے کہ انسان اس زمانہ میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے لیکن وہ اس عمر میں چیزوں کی ماہیت اور حقیقت سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہوتا۔ ایک لمبی عمر کے تجربہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جن چیزوں کو مَیں بُرا سمجھتا ہوں وہ حقیقت میں اچھی ہوں اور جن کو مَیں اچھی سمجھتا ہوں وہ در حقیقت بُری ہوں۔ اور جن چیزوں کو مَیں اپنے خیال میں اہمیت دیتا ہوں وہ لوگوں کے حالات اور ماحول کے مدنظر اس قابل ثابت نہ ہوں کہ ان کو اس قدر اہمیت دی جائے۔ جس قوم نے دنیا کے سامنے مذہب کو پیش کرنا ہے

اس کے نزدیک اس کے دینی مطالب اور دینی مقاصد اور دینی ضرورتیں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ پس جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے۔ ہمیں نوجوانوں کی بھی ضرورت ہے کیونکہ قربانی کے میدان میں ان کو بوڑھوں سے زیادہ اہمیت ہے اور ہمیں بوڑھوں کی بھی ضرورت ہے کیونکہ تجربہ اور دانائی کے میدان میں بوڑھوں کو نوجوانوں سے زیادہ اہمیت ہے۔

ہمارے ہاں قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کے بیٹے کی شادی تھی اور بیٹی والوں کا خیال تھا کہ یہ رشتہ نہ کیا جائے لیکن صفائی سے انکار بھی نہ کر سکتے تھے کیونکہ بدنامی سے ڈرتے تھے۔ بادشاہ نے وزراء سے مشورہ طلب کیا کہ کیا کیا جائے؟ کوئی ایسی صورت بتاؤ کہ رشتہ بھی نہ ہو اور ہم بدنامی سے بھی بچ جائیں۔ اُنہوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وقت مقرر کرتے وقت آپ یہ بات پیش کریں کہ ہمارے ہاں بعض رسم ورواج ہیں اُن کی پابندی آپ پر لازمی ہو گی۔ اُن رسوم میں سے ایک رسم یہ ہے کہ برات میں جتنے لوگ آئیں وہ سب کے سب نوجوان ہوں اوران میں کوئی ایک بھی بوڑھا نہ ہو۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ نوجوانوں کے سامنے ہم کوئی رسم بطور امتحان پیش کر دیں گے۔ نوجوانوں میں سوچ بچار کا مادہ کم ہوتا ہے وہ اس کو حل نہیں کر سکیں گے اور جوش میں آجائیں گے۔ ہم کہیں گے کہ ہماری ہتک ہو گئی ہم شادی کے لئے تیار نہیں۔ دوسرے بادشاہ کو جس کے لڑکے کی شادی تھی جب یہ بات پہنچائی گئی کہ برات میں سب کے سب نوجوان آئیں، کوئی بوڑھا نہ آئے تو وہ فوراً اس بات پر رضامند ہو گیا اور اس نے کہا اچھا ہے کہ نوجوان ہی خوش خوش ہنستے کھیلتے جائیں اور ہم ان پر بوجھ نہ بنیں اور ان کی خوشی میں خلل انداز نہ ہوں۔ بادشاہ کے بوڑھے وزیر نے شہزادے سے کہا۔ شہزادے! تمہارے باپ نے تو یہ شرط مان لی ہے کہ برات میں کوئی بوڑھا نہ آئے لیکن مجھے اِس کی تہہ میں کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے جس طرح ہو مجھے ساتھ لے چلو۔ شہزادے نے کہا جب یہ عہد ہو چکا ہے کہ برات میں کوئی بوڑھا نہیں آئے گا تو مَیں آپ کو کس طرح ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ وزیر نے کہا مجھے ایک صندوق میں بند کر لو اور اپنے ساتھ لے چلو۔ تمہارے ساتھ میرا جانا بہت ضروری ہے کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے خسر نے ضرور کوئی چالا کی کی ہے لہٰذا

کسی تجربہ کار بڈھے کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ جب بڈھے وزیر نے بہت اصرار کیا تو شہزادہ مان گیا اور ایک صندوق لے کر اس کے پہلو میں شگاف کئے تاکہ وہ سانس لے سکے اور اسے اس صندوق میں بند کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ جب برات وہاں پہنچی تو اس صندوق کو بھی سامان کے ساتھ ہی رکھ دیا گیا۔ جب برات پہنچی تو لڑکی والوں نے برات والوں کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ ہم شادی تب کریں گے کہ جب ہر ایک براتی ایک ایک بکرا کھائے۔ اس بات سے سب براتی گھبرا گئے کہ فِی براتی ایک ایک بکرا کھانا بالکل ناممکن بات ہے اور ہم یہ شرط پوری نہیں کر سکیں گے۔ اُنہوں نے لڑکی والوں کی بہت منت سماجت کی کہ یہ شرط نہ لگائی جائے لیکن وہ نہ مانے اور کہا کہ یہ تو ہمارے رواج کے خلاف ہے۔ آخر شہزادے کو بڈھا وزیر یاد آیا کہ اس سے اس کا حل پوچھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ گیا اور صندوق کھول کر بڈھے وزیر سے کہا کہ اب تمہاری ضرورت پیش آئی ہے۔ لڑکی والوں نے یہ شرط پیش کی ہے کہ فِی براتی ایک ایک بکرا کھاؤ۔ وزیر نے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ ہاں ہم کھائیں گے مگر پھر شرطیں بڑھاتے نہ جانا۔ شہزادہ نے اپنے سسرال کو یہ پیغام دیا۔ جب ادھر سے منظوری ہو گئی کہ اَور شرطیں نہ ہوں گی تو اس نے منظور کر لیا اور بوڑھے وزیر سے پوچھا کہ اب کیا کریں؟ وزیر نے کہا ان سے کہو کہ ایک ایک بکرا باری باری لاتے جائیں کیونکہ ہمارے ہاں رواج اکٹھے کھانے کا ہے۔ دو ہزار براتی میں ایک بکرا بھلا کتنی دیر ٹھہر سکتا ہے۔ ایک ایک تِکّہ اٹھاتے تو بکرا غائب اور پھر دو ہزار بکرا ذبح کرنے اور بُھوننے میں بھی چوبیس گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اتنی دیر میں پہلا کھایا ہوُا ہضم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ براتیوں نے اس شرط کو پورا کر دیا اور اس بوڑھے وزیر کو دعائیں دیتے ہوئے کامیابی کے ساتھ واپس لَوٹے۔

یہ واقعہ کے لحاظ سے محض ایک کہانی ہے مگر سبق کے لحاظ سے ایک مفید حکمت پر مشتمل ہے۔ پس ہر قوم میں نوجوانوں کی بھی ضرورت ہے اور بوڑھوں کی بھی ضرورت ہے۔ کیوں نہ خدا تعالیٰ نے سارے آدمی نوجوان ہی بنا دیئے۔ کیوں نہ خدا تعالیٰ نے سارے انسان بوڑھے ہی بنا دیئے۔ کیوں نہ خدا تعالیٰ نے سارے انسان بچے ہی بنا دیئے۔ کیوں نہ خدا تعالیٰ نے سب انسان مرد ہی بنا دیئے۔ کیوں نہ خدا تعالیٰ نے سب انسان عورتیں ہی بنا دیں۔ آخر اِس کی

کوئی تو وجہ ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جو خصوصیت بچے میں ہے وہ نوجوان اور بوڑھے میں نہیں۔ جو خصوصیت نوجوان میں ہے وہ بچے اور بوڑھے میں نہیں اور جو خصوصیت بوڑھے میں ہے وہ بچے اور نوجوانوں میں نہیں۔ بچہ فطرتِ صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے اور اُس کے منہ سے ہزاروں باتیں ایسی نکلتی ہیں جو بڑے بڑے عقلمندوں کے اندر سے نہیں نکلتیں۔ بڑے آدمیوں کی حالت اس چشمہ کے مشابہہ ہے جو سو یا دو سو میل پر جا کر اپنا رستہ اختیار کرتا ہے لیکن دہانہ پر اس کی حالت اَور ہوتی ہے۔ بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو بچوں میں پائی جاتی ہیں اور جوانوں اور بوڑھوں میں نہیں پائی جاتیں۔ بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو جوانوں میں پائی جاتی ہیں اور بچوں اور بوڑھوں میں نہیں پائی جاتیں۔ بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو بوڑھوں میں پائی جاتی ہیں اور بچوں اور جوانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو عورتوں میں پائی جاتی ہیں اور مردوں میں نہیں پائی جاتیں۔ انسانیت کے چمن کو اِن چھ قسم کے پھولوں سے خوشنمائی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی مردوں میں سے کچھ بچے ہوں، کچھ جوان ہوں، کچھ بوڑھے ہوں۔ اسی طرح عورتوں میں سے کچھ بچیاں ہوں، کچھ جوان لڑکیاں ہوں اور کچھ بوڑھی عورتیں ہوں۔ یہ چھ پھول ہیں جن سے دنیا کے چمن کی رونق وابستہ ہے۔ بچہ فطرت کے ماتحت بولتا ہے اور بیسیوں باتوں میں بڑے آدمیوں کو سبق دیتا ہے۔ بڑے آدمی اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ وہ ہر بات سوچ سمجھ کر کریں لیکن بچہ سیدھی سادی بات کر دیتا ہے اور وہ تصنّع سے پاک ہوتی ہے۔ اس لئے بچے کی زندگی سے انسان کو کئی سبق حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ بچے کی فطرت بولتی ہے لیکن یہ چیز اس عمدگی سے بڑے آدمیوں کے اندر نہیں ملتی۔ سوائے کسی حقیقی متقی اور پرہیز گار کے۔ اور ایسے لوگ سو میں سے ایک یا ہزار میں سے ایک ہو سکتے ہیں۔ ہندو، عیسائی اور مسلمان سب کے بچے فطرتِ صحیحہ پر پیدا ہوتے ہیں اور فطرت صحیحہ پر رہتے ہیں۔ جب تک کہ ماں باپ ان کو خراب نہیں کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ [1] کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ایک خدا پر ایمان رکھے۔ سیدھی سادی بات کرے اور تصنّع اور بناوٹ سے کام نہ لے۔ جھوٹ

اور فریب سے بچے، ظلم اور حق تلفی کو بُرا سمجھے لیکن یہ بات ماں باپ کی تربیت اور ماحول کے اثرات کے نتیجہ میں قائم نہیں رہتی۔ باوجود اس کے کہ بچہ اپنی بچپن کی عمر کے لحاظ سے کمزور اور بے وقوف ہوتا ہے اور جوان آدمی طاقت کے لحاظ سے اور بوڑھا آدمی تجربہ کے لحاظ سے اس سے زیادہ ہوتے ہیں لیکن جو فطرت کی صفائی بچے میں پائی جاتی ہے وہ نہ نوجوان میں پائی جاتی ہے اور نہ ہی بوڑھے میں پائی جاتی ہے۔ ایک بڈھا آدمی باوجود اپنے لمبے تجربہ کے اپنا سر ایک پتھر کے سامنے جھکا دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین بچپن سے لے کر اس کی جوانی تک یہ خیالات اس کے دماغ میں داخل کرتے رہتے ہیں کہ پتھر ہم کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے حالانکہ اگر وہ ذرا عقل سے کام لے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس پتھر کو ایک بٹّہ مار کر توڑا جا سکتا ہے اور اس میں اتنی بھی طاقت نہیں جتنی ایک بلی میں یا ایک چوہے میں یا ایک مچھر میں ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی بھاگ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس پتھر میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ اپنے اوپر سے مچھر کو اُڑا سکے۔ لیکن ایک بڈھا آتا ہے اور اُس پتھر کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے لیکن اُس کا بچہ اپنے باپ کی اس حرکت کو دیکھ کر ہنس پڑتا ہے کہ ہیں! پتھر میں بھی کوئی طاقت ہے کہ اسے اس پتھر کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت پیش آئی؟ بچہ اس بُت کو اس نگاہ سے دیکھتا ہے کہ یہ اچھا خوبصورت بنا ہوا بُت ہے۔ اس کا ناک اچھا ہے، اس کی نظر بُت کی صنّاعی پر پڑتی ہے لیکن اسے یہ خیال نہیں آتا کہ یہ بُت مجھے کچھ دے دے گا یا مجھ سے کچھ لے لے گا۔

اِسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے چچا کی بُتوں کی دکان تھی اور ان کے چچا کے نوجوان بیٹے دُکان پر کام کرتے تھے۔ آپ کے چچا نے آپ کو بھی دکان کا کام سکھانے کے لئے ان کے ساتھ بٹھا دیا۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک نوّے پچانوے سال کا بڈھا سفید لمبی داڑھی، بُت خریدنے کے لئے آیا۔ جو بُت اسے پسند آیا اُس نے اس بُت کے سامنے ماتھا رکھ دیا اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اس طرح کرتے دیکھ کر قہقہہ مارا۔ اور اس بڈھے کو کہا کہ کل ایک نوجوان سنگتراش یہ بُت دے کر گیا ہے اور تم اتنے بڈھے ہو کر اس بُت کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہو۔

لیکن جہاں بچہ فطرت سے بولتا ہے وہاں بچے میں ایک پہلو نادانی کا بھی ہوتا ہے۔ وہ بعض دفعہ رونا شروع کر دیتا ہے اور اپنی ماں یا ابّا سے کہتا ہے کہ مجھے انگور لا دو یا مجھے انار لا دو اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اُن چیزوں کا موسم بھی ہے یا نہیں۔ یا ایسی ضد کرنی شروع کر دیتا ہے کہ جو ماں باپ کی طاقت سے بھی باہر ہوتی ہے۔ مجھے گھوڑا لے دو اور وہ نہیں جانتا کہ میری ماں کی اتنی حیثیت ہے یا نہیں اور وہ کس طرح اور کتنی تنگی کے ساتھ گزارہ کر رہی ہے۔ پس جہاں بچے میں یہ خوبی ہے کہ وہ فطرتی باتوں کا اظہار کرتا ہے وہاں اس میں یہ نقص بھی ہے کہ اس میں جہالت اور حماقت بھی پائی جاتی ہے۔ بچے کی فطرت کی صفائی قابلِ قدر چیز ہے لیکن اگر اس کی نادانی اور حماقت کی باتوں پر عمل کیا جائے تو ایک دن میں دنیا کا بیڑا غرق ہو جائے۔

بچپن کے بعد جوانی آتی ہے۔ انسان کے اندر نئی نئی خواہشات اور نئی نئی اُمنگیں موجزن ہوتی ہیں اور عقل ابھی کامل طور پر رسم و رواج کی غلام نہیں بنی ہوتی۔ جسم میں قوت ہوتی ہے اِس لئے جوان آدمی قربانیوں کے لئے جلدی آمادہ ہو جاتا ہے۔ ابھی بیوی بچے نہیں ہوتے کہ ذمہ داریوں کی وجہ سے دل ڈرتا ہو۔ جب اُسے کہا جائے کہ قوم کو اس کی جوانی کی ضرورت ہے تو وہ بے دریغ جس راہ کی طرف اسے اشارہ کیا جائے اُس پر چل پڑتا ہے خواہ اس راہ میں جان کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر اسے کہا جائے کہ تم فوج میں داخل ہو جاؤ تو وہ بِلا خطر فوج میں داخل ہو جاتا ہے اور اپنی بہادری کے کرشمے دکھاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر مَیں مارا گیا تو میرے پیچھے کونسے بیوی بچے ہیں جن کی پرورش نہیں کر سکوں گا۔ چونکہ یہ زمانہ نئی نئی اُمنگوں اور نئی نئی آرزوؤں کا ہوتا ہے اس لئے کئی شیطنت کے کام بھی ذہن میں آتے ہیں اِس لئے بعض دفعہ غلط راستہ بھی اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ ابھی اس کے اندر دور اندیشی کا مادہ نہیں ہوتا۔ لیکن بڑھاپے میں قربانی کا وہ جوش قائم نہیں رہتا کیونکہ بوڑھا انسان دیکھتا ہے کہ میرے بیوی بچے ہیں ان کی پرورش کون کرے گا۔ بچوں کی پڑھائی کا انتظام کون کرے گا۔ پس بڑھاپے میں وہ دلیری قائم نہیں رہتی جو جوانی میں انسان میں ہوتی ہے اِلَّا مَا شَاءَ اللہ۔ حقیقی اور سچے مومن کے لئے تو باوجود بڑھاپے کے تینوں زمانے موجود ہوتے ہیں۔ اس میں بچپن کی فطرت کی صفائی بھی موجود ہوتی ہے اور جوانی کی قربانی کا جوش بھی موجود ہوتا ہے اور

بڑھاپے کا تجربہ بھی اس کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے تینوں زمانے قائم ہوتے ہیں لیکن عام طور پر لوگ جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو واقع میں بوڑھے ہو جاتے ہیں اور جب وہ جوان ہوتے ہیں تو واقع میں ان میں جوانی ہی کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔ بے شک استثنائی مثالیں اس کے خلاف پائی جاسکتی ہیں لیکن استثناء قانون کو باطل نہیں کرتا۔ قانون یہی ہے جو بوڑھے ہیں وہ بوڑھے ہیں۔ جو جوان ہیں وہ جوان ہیں اور جو بچے ہیں وہ بچے ہیں۔ بڑھاپے میں قوتِ عملیہ کمزور ہو جاتی ہے اور جسمانی قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انسان ایسی قربانیاں نہیں کر سکتا جیسی قربانیاں کہ جوان کر سکتے ہیں کہ وہ وطن سے دور چلا جائے یا فاقہ برداشت کر سکے۔ لیکن جوان آدمی میں ان باتوں کی برداشت کی قوت موجود ہوتی ہے اور اس کی قوتِ عملیہ مضبوط ہوتی ہے اور جسمانی اعضاء میں طاقت اور توانائی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ اس میں لڑنے بھڑنے کا جوش زیادہ ہوتا ہے اور معمولی معمولی باتوں پر لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بوڑھا آدمی سوچتا ہے کہ میرے اس فعل کا نتیجہ کیا نکلے گا اور اس کے لمبے تجربہ کی وجہ سے اس کے شہوانی رجحانات کم ہو جاتے ہیں اور بُرے جوش کم ہو جاتے ہیں اور لڑنے بھڑنے کا جذبہ کم ہو جاتا ہے اور تنظیم کا ہاتھ مضبوط ہو جاتا ہے۔ پس ہمیں سب قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں نوجوانوں کی بھی ضرورت ہے جو مختلف ممالک میں تبلیغ کے لئے اپنے وطنوں سے دور جائیں اور سفر کی تکالیف کو برداشت کریں اور ہمیں بوڑھوں کی بھی ضرورت ہے جن کو ہم نگرانی کے کاموں پر لگا سکیں۔

پس آج مَیں پھر ان دوستوں کو تحریک کرتا ہوں جو پنشن حاصل کر چکے ہیں کہ وہ آئیں اور خدمتِ دین کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ میری کوئی تحریک اتنی ناکام نہیں رہی جتنی یہ تحریک ناکام رہی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بڑھاپے میں قوتِ عملیہ کم ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ یہ عذر پیش کر دیتے ہیں کہ ہم اب کام کے قابل نہیں رہے یا بعض یہ کہہ دیتے ہیں ابھی ہم پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ کسی جگہ دوبارہ عارضی ملازمت کر لیں۔ ایسے لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کی تو چند سالوں کی قربانی ہے لیکن نوجوانوں میں سے سینکڑوں ایسے ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگیاں اسلام اور احمدیت کی

اشاعت کے لئے وقف کر دی ہیں۔ نوجوانوں کی کتنی لمبی قربانی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قربانی کی جتنی توفیق ہمارے نوجوانوں کو ملی ہے ہمارے بوڑھوں کو وہ توفیق نہیں ملی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بوڑھوں کو ان کی دوراندیشیاں قربانی کی طرف قدم اٹھانے سے روکتی ہیں۔ نوجوانوں کو بے شک تم کوتاہ اندیش کہہ لو لیکن یہی کوتاہ اندیش قوموں کے رہبر اور رہنما بننے والے ہیں۔ ہمارے پاس نوجوان موجود ہیں اور ہم ان سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن ایک دن میں ہی ان کو ہم ناظر نہیں بنا سکتے اور فوری طور پر ناظروں کا کام ان کے سپرد نہیں کر سکتے۔ مجھے افسوس ہے کہ صدر انجمن نے بھی پہلے ناظروں کے قائم مقام پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بے شک ان کو ناظر مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے لیکن وہ نائب ناظر مقرر کرنے کی تجویزیں تو پیش کر سکتے تھے جو کہ ناظروں کے ساتھ مل کر کام سیکھیں۔ اب سوال تو نائب ناظروں کا ہے کہ وہ کیوں اب تک مقرر نہیں کئے؟ مَیں نے متواتر صدر انجمن کو توجہ دلائی لیکن اس نے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دی۔ جب یہ عمارت گر جائے گی تو پھر ان کو فکر لاحق ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمیں تو ناظروں کے لئے نام تجویز کرنے کی بھی اجازت نہیں لیکن یہ جواب درست نہیں۔ یہ کہنا کہ فلاں کو ناظر بنا دیا جائے، یہ تو تَقَدُّمْ عَلَی الْخَلِیْفَہ ہے کیونکہ ناظر مقرر کرنا خلیفہ کا کام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کا نام پیش کیا گیا ہو خلیفہ اُسے ردّ کر دے۔ نظارت اُسے کہہ سکتی ہے کہ ہم نے آپ کا نام پیش کر دیا تھا لیکن خلیفہ نے منظور نہیں کیا۔ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس لئے مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ کسی نظارت کو ناظر کی آسامی کے لئے نام پیش کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن نظارت کے لئے کسی نئے عہدہ کا قیام یا نائب ناظر مقرر کرنے کی تجویز تو کسی صورت میں اس مناہی میں نہیں آتی۔ سوال تو یہ ہے کہ اس قسم کی تجاویز پر کیوں غور نہ کیا گیا اور کیوں نئے آدمی تیار نہ کئے گئے۔ مَیں تو دیکھتا ہوں کہ انجمن کی بے توجہی کی وجہ سے مَیں نے جو خود نائب ناظر واقفین زندگی سے ناظروں کو دیئے ہیں ناظروں نے ان کو بھی کلرک بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ کسی شخص کو صرف نام دینے سے تو عقل نہیں آجاتی۔ جب تک اُس پر ذمہ داری نہ ڈالی جائے اس وقت تک انسان کو پورا احساس نہیں ہوتا۔ پس اب ضرورت ہے کچھ تجربہ کار آدمیوں کی جو کہ نائب ناظروں اور ناظروں کا کام سنبھال سکیں۔ ایسے تمام لوگ

جو کہ گورنمنٹ سروس میں ڈاکٹر، بیرسٹر یا انجینئر تھے اور اب پنشن حاصل کر چکے ہیں وہ ہمارے لئے بہت موزوں ہو سکتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ ایک لمبا تجربہ رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ عام طور پر پچپن سال کی عمر میں فارغ کر دیتی ہے اور فارغ ہونے کے بعد ایسے لوگ ساٹھ یا پینسٹھ سال کی عمر تک اچھا کام کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اُن پر کام کا وہ بوجھ نہ ڈالا جائے جو نوجوانوں پر ڈالا جاتا ہے۔

خان صاحب فرزند علی صاحب ستّر سال کی عمر تک بہت ہی عمدہ کام کرتے رہے ہیں اور اب فالج کی وجہ سے لاچار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں جلد صحت بخشے اور پھر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پس ایسے ریٹائرشدہ آدمیوں سے کام لینے کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ دماغ ان کا ہو اور بھاگ دَوڑ کے لئے ان کو کچھ نوجوان دے دیئے جائیں۔ کیونکہ بوڑھے آدمی اس طرح بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے جس طرح نوجوان بھاگ دوڑ کر سکتے ہیں۔ اور ایسے آدمیوں کے ساتھ کام کرتے کرتے آہستہ آہستہ نوجوان بھی کام سیکھ جائیں گے اور وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ ان کے سپرد زیادہ اہم کام کر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ ابھی ہمیں کچھ ایسے گریجوایٹوں کی ضرورت ہے جن میں سے بعض کو تبلیغ کے لئے باہر بھیج سکیں اور بعض کو ٹرینڈ کر کے تحریک کے مرکز میں لگایا جائے۔

اس کے بعد مَیں تحریک جدید کے چندوں کی طرف دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ مَیں نے متواتر بتایا ہے کہ ہمارا تحریک جدید کا بجٹ ساڑھے تین لاکھ کے قریب ہے یعنی اخراجات کا بجٹ آمد سے تیس تینتیس فیصدی زیادہ ہے۔ تحریک جدید کی آمد کے وعدے دولاکھ چھیاسٹھ ہزار کے ہیں اور خرچ تین چار لاکھ کے درمیان ہے۔ اگر تحریک جدید اسی طرح خرچ کرتی جائے اور جماعت کوشش نہ کرے تو اگلے سال ڈیڑھ لاکھ کا قرضہ تحریک جدید کے ذمہ ہو جائے گا اور دو تین سال کے بعد تحریک کے کام بند کرنے پڑیں گے اور تمام مبلغین کو واپس بلانا پڑے گا۔ مَیں نے اس نقصان کے ازالہ کے لئے دفتر دوم جاری کیا تھا کہ دفتر دوم والے نو سال میں ایک ریزروفنڈ قائم کریں جو آئندہ تحریک کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کا موجب ہو۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میری اس سکیم کی طرف جماعت نے بہت کم توجہ دی ہے اور دفتر دوم کے

چندوں میں تو مجھے قربانی کی بہت کم روح دکھائی دیتی ہے۔ دفتر اول والوں میں سے بھی گو سب کے سب ایسے نہیں کہ جن کی قربانیاں درحقیقت قربانی کہلانے کی مستحق ہوں لیکن ان میں سے اکثر کی قربانیاں شاندار ہیں اور بعض کی قربانیاں تو دنیا کی بہترین قوموں کے سامنے بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں اور بعض کی قربانیاں صحابہؓ کی قربانیوں سے کم نہیں۔ عام لوگوں کو صرف رقم نظر آتی ہے اور وہ جذبہ نظر نہیں آتا جس کے ماتحت اُنہوں نے قربانی کی۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اُن کی آمد کتنی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کی ماہوار آمد بیس روپے ہے اور سال کی آمد دوسو چالیس روپے بنتی ہے۔ اس میں سے انہوں نے ساٹھ روپے تحریک جدید کا چندہ دیا اور انجمن کے چندے اور باقی ہنگامے چندے اس کے علاوہ ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ بیوی بچوں والے ہیں، بچوں کی تعلیم اور ان کی بیماری وغیرہ کا خرچ بھی ان کو کرنا ہوتا ہے۔ کیا یہ چھوٹی قربانی ہے؟ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قربانی کو ہم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ اشارہ پر حضرت ابو بکرؓ اپنا سارا مال اور حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے آئے۔2 جہاں تک چندہ کا سوال ہے اس قسم کی کئی مثالیں ہمارے تحریک جدید کے دورِ اول میں بھی ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دوسرے اعمال میں بھی ہماری جماعت کو ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ اس سے پہلے مَیں نے ایک خطبہ تحریک جدید کی ضروریات کے متعلق پڑھا تھا۔ اس خطبہ کو پڑھ کر گجرات کے ایک دوست نے مجھے لکھا کہ میرے پاس کُل سرمایہ پانچ سو روپیہ ہے لیکن چونکہ دین کی ضرورت مقدم ہے اس لئے مَیں اس پانچ سو میں سے تین سو روپیہ اشاعت اسلام کے لئے دیتا ہوں۔ بے شک ہماری جماعت میں بیسیوں افراد ایسے ہیں جنہوں نے تحریک جدید میں پانچ سو سے ہزار تک چندہ دیا اور بیسیوں ایسے ہیں جنہوں نے ہزار سے دو ہزار تک چندہ دیا اور سینکڑوں ایسے ہیں جنہوں نے سو یا پچاس یا پچیس تک چندہ دیا ہے۔ لیکن جنہوں نے چار سو یا پانچ سو چندہ دیا ہے وہ ایسے ہیں کہ ان کی سالانہ آمد آٹھ دس ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ جنہوں نے ہزار دو ہزار چندہ دیا ہے۔ وہ عام طور پر ایسے ہیں کہ ان کی سالانہ آمد ستّر ہزار یا اسّی ہزار ہے۔ ان کی قربانی اور اس شخص کی قربانی برابر نہیں ہو سکتی جس نے پانچ سَو رَاسُ المال میں سے تین سو خدا کی راہ میں دے دیا۔ اور جیسا کہ مَیں نے کہا ہے۔ دَورِ اول

میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہماری اولادوں اور ہمارے نوجوانوں نے دفتر دوم کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور انہوں نے اپنے آباء کے دوش بدوش چلنے کی کوشش نہیں کی۔

یہ بات یاد رکھو کہ دنیا میں وہی قوم عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور وہی قوم اپنی زندگی کو دیرپا بنا سکتی ہے جس کی آنے والی نسلیں اپنے آباؤ اجداد سے زیادہ قربانی کرنے والی ہوں۔ یورپ کی ترقی کا تمام راز اِسی میں مضمر ہے کہ ان کی ہر آنے والی نسل اپنے باپ دادوں سے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے اور مسلمانوں کے تنزل کی وجہ یہی ہے کہ آنے والی نسلیں اپنے باپ دادوں کے وقار کو قائم نہ رکھ سکیں۔ اس لئے ان کی ترقی باوجود صحیح راستہ پر ہونے کے رُک گئی اور عیسائیت باوجود شرک کے بدنما داغ کے ترقی کرتی چلی گئی۔ اگر مسلمانوں کی آنے والی نسلیں اپنے باپ دادوں سے زیادہ قربانی کرتیں تو آج اسلام عیسائیت پر ہر طرح غالب ہوتا اور عیسائیت کا نام ونشان بھی نہ ملتا کیونکہ عیسائیت پر شرک کا بدنما داغ ہے۔ لیکن اسلام اس بدنما داغ سے کُلّی طور پر پاک ہے۔ اسلام اپنے اندر توحید کی وہ خوبصورتی رکھتا ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ مگر ضرورت اس بات کی تھی کہ اولادیں اپنے باپ دادوں سے زیادہ قربانی کرتیں۔ آج تحریک جدید کو جاری ہوئے گیارہ سال گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں ہماری کئی اولادیں جوان ہو گئی ہیں۔ تحریک جدید کے اجرا کے وقت جو بچے دس سال کے تھے اب وہ اکیس سال کے ہو گئے ہیں اور اکیس سال کے نوجوان اکثر کمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ کیا گیارہ سال کے بعد بھی ہماری جماعت میں سے پانچ ہزار نوجوان ایسے نہیں نکل سکتے جو پہلی پانچ ہزاری فوج کی جگہ لے سکیں؟ مَیں سمجھتا ہوں تعلیم کی زیادتی اور جماعتی تنظیم کی وجہ سے ہماری جماعت کی مالی حالت پہلے کی نسبت بہت اچھی ہے۔ اور باپوں سے بیٹوں کی آمد بہت زیادہ ہے۔ میرے نزدیک سو میں سے نوے افراد ایسے ہیں کہ جن کی آمد اپنے باپوں سے زیادہ ہے۔ جماعتی تنظیم کی وجہ سے جماعت کے افراد خود بخود ترقی کر رہے ہیں اور یہ چیز ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی۔ جب یہ بات درست ہے کہ ہماری اولادیں اپنے باپ دادوں سے مالی حالت اچھی رکھتی ہیں تو پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ دفتر دوم میں اس سال کُل اٹھہتّر ہزار کے وعدے ہوئے ہیں۔ جہاں تین چار لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہو وہاں اٹھہتّر ہزار کا ریزرو فنڈ کیا

کر سکتا ہے۔ فرض کرو ہمارا اس سال کا خرچ چار لاکھ ہے اور ہماری آمد دو لاکھ ساٹھ ہزار ہے تو ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ ہمیں اس سال اَور بڑھانا پڑے گا۔ اگر ہم دفتر دوم کی آمد جو کہ اٹھہتّر ہزار ہے وہ بھی خرچ کر لیں تب بھی ساٹھ ستّر ہزار کے قریب ہم پر قرض رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم نے اگلے دور کے لئے ریزرو فنڈ قائم کرنا ہے تو ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم دفتر دوم کو اس قدر مضبوط کر دیں کہ اس سے یہ کمی بھی پوری ہوتی رہے اور کمی کو پورا کرنے کے بعد اس قدر روپیہ بچ جائے کہ جس سے ہم تحریک جدید کے دوسرے دور کے لئے بھی ایک مضبوط ریزرو فنڈ قائم کر لیں۔ اس کی یہی صورت ہے کہ دفتر دوم میں حصہ لینے والوں کی تعداد کو بڑھایا جائے اور یہ بات نوجوانوں کے ذہن نشین کرائی جائے کہ اس بوجھ کو اٹھانا اب ان کا فرض ہے۔ مَیں نے پہلے بھی کہا تھا کہ دفتر اول والوں کو بھی یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ دفتر دوم کے لئے اپنا ایک ایک قائمقام پیدا کریں لیکن جن لوگوں نے ایسا کیا ہے اُنہوں نے عام طور پر پانچ پانچ روپے وعدہ کرنے والے لوگ پیش کئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پانچ ہزار افراد اس میں حصہ لیں تو کُل پچیس ہزار روپیہ کی آمد ہو سکتی ہے۔ اور اگر وہ دس روپے کا وعدہ کرنے والے ہوں تو پچاس ہزار کی آمد ہو سکتی ہے اور اگر بیس روپے کا وعدہ کرنے والے ہوں تو ایک لاکھ کی آمد ہو سکتی ہے حالانکہ تمام کے تمام وعدے وصول نہیں ہو جاتے۔ پس کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں جو ہزار یا پانچ سو روپے سال میں چندہ دیں، کچھ ایسے ہوں جو سو یا ڈیڑھ سو چندہ دیں، کچھ ایسے ہوں جو پچاس یا چالیس چندہ دیں اور ان سب کی اوسط ستّر روپے فی کس ہو جائے اور پانچ ہزار افراد دفتر دوم میں حصہ لینے والے ہوں تو سالانہ چندہ کی رقم ساڑھے تین لاکھ ہو سکتی ہے۔

دفتر اول والوں میں سے ہر شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کی جسمانی اولاد ہو جو اس کی وارث ہو۔ تو دین کے متعلق اس کے دل میں کیوں تڑپ پیدا نہ ہوئی کہ اس کا روحانی قائم مقام ہو۔ اور کیا وہ یہی پسند کریں گے کہ ان کے قائم مقام اسی قدر قربانی کرنے والے ہوں جو صرف پانچ روپے دے کر جان بچا لیں۔ ان کو ایسے قائم مقام پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو انیس سال کے لئے اپنے اموال صَرف کریں اور قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں۔ اس کے علاوہ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے باوجود مالدار ہونے کے تحریک جدید میں حصہ نہیں لیا ان کو

تحریک کی جائے کہ وہ تحریک جدید میں حصہ لیں۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص کسی کو نیک کام کی تحریک کرتا ہے اور وہ شخص اس کی تحریک پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تحریک والے کو بھی اسی قدر ثواب دیتا ہے جتنا عمل کرنے والے کو۔ بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی کرے۔3 پس ہماری جماعت کے وہ مخلصین جو خود توفیق نہ ہونے کی وجہ سے حصہ نہیں لے سکے وہ ایسے لوگوں کے پاس جائیں جنہوں نے ابھی تک حصہ نہیں لیا حالانکہ وہ حصہ لے سکتے تھے۔ ان کو تحریک کریں کہ وہ تحریک جدید میں حصہ لیں۔ اس سے زیادہ آسان طریق ثواب حاصل کرنے کا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو تحریک جدید کا حصہ دار بنا کر خود بھی اتنے ہی ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ وہ تجسس کر کے پولیس کے سپاہیوں کی طرح ایسے لوگوں کو تلاش کریں جنہوں نے باوجود مالدار ہونے کے تحریک جدید میں حصہ نہیں لیا۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ خدا کے حضور اسی طرح ثواب کے مَورد بنیں گے جس طرح تحریک جدید میں حصہ لینے والے۔ اور جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ وہ تحریک جدید میں حصہ لیں اُن کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ایک ایسی جماعت اپنی جگہ کھڑی کریں جو اس کام کو مزید اُنیس سال تک چلاتی جائے۔ اگر ہر نسل میں یہ احساس پیدا ہو جائے اور وہ کوشش کرے کہ اپنی جگہ ایک ایسی جماعت قائم کر جائے جو اس تحریک کو انیس سال تک چلاتی چلی جائے اور قربانیوں سے کسی رنگ میں دریغ نہ کرے تو تم سمجھ لو کہ یہ تحریک، قیامت تک جاری رہے گی اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعہ ایسی قوت اور طاقت عطا کرے گا کہ دنیا کا تم کو تباہ کرنا تو الگ رہا، تمہارے مقابل پر کھڑا ہونا بھی اس کے لئے ناممکن ہو جائے گا۔“ (الفضل 4 اگست 1946ء)

1: بخاری کِتَابُ الْجَنَائِز بابُ مَا قِیْلَ فِیْ اَوْلَادِ الْمُشْرِکِیْنَ

2: ترمذی اَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ باب رِجَاؤُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَبُوْ بَکْرٍ (الخ)

3: مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 274 مطبوعہ بیروت 1313ھ